© rasailojaraid.com

محمد عطاء اللہ صدیقی

مسلم مشرق پر مغربی مظالم اور ردِّ امریکہ

[القاعدہ کے خلاف امریکی فردِ جرم پر ایک نظر]

اسلام اور عیسائیت اگرچہ الہامی مذاہب ہیں، مگر گزشتہ چودہ صدیوں میں اسلامی مشرق اور مسیحی مغرب کے درمیان بالواسطہ اور براہِ راست کشمکش، باہم پیکار اور تصادم کی فضا قائم رہی ہے۔ بیت المقدس میں بازنطینی رومی شہنشاہیت کی شکست کا احساس مسیحی اجتماعی نفسیات پر ہمیشہ غالب رہا ہے۔ یروشلم جیسے مقدس مقام کی بازیابی کی خواہش کو مسیحی کلیسا نے عوام اور حکمرانوں کے لئے ایک عسکری رومانویت بنا کر پیش کیا۔ تثلیث کے فرزندوں کو اِس رومانویت کو عملی شکل دینے کے لئے پانچ صدیاں انتظار کرنا پڑا کیونکہ اسلامی سلطنت کے سامنے وہ بے بس تھے۔ بالآخر گیارھویں صدی عیسوی میں خلافتِ اسلامیہ جب سیاسی انتشار سے دوچار ہوئی تو پورا یورپ مسلمانوں کو شکست دینے اور یروشلم (بیت المقدس) کی بازیابی کے 'مقدس' مشن کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ یاد رہے کہ اس 'مقدس جنگ' کی ہدایت پاپائے روم نے دی تھی۔ اسی لئے مسیحی افواج نے صلیب کو اپنا نشان بنا لیا۔ مسیحی عساکر اِس صلیبی یلغار کے نتیجے میں یروشلم پر ۹۰ سال تک قابض رہے۔ بالآخر تاریخ اسلام کے عظیم ہیرو صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو بازیاب کرا کے صلیبیوں کو بحیرۂ روم کے اس پار دھکیل دیا۔ صلیبی جنگوں کا عرصہ کم و بیش ڈیڑھ سو سالوں پر محیط ہے۔ سپین پر مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی اور سسلی پر ان کا عرصۂ اقتدار اڑھائی سو سال سے بھی زیادہ ہے۔ پھر عثمانی ترکوں نے جب ۱۴۵۳ء میں بازنطینی سلطنت کے صدر مقام قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تو مسیحی یورپ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔ عثمانی ترکوں نے یورپ کی راجدھانیوں کو عرصہ دراز تک لرزہ براندام کئے رکھا۔ اُنہوں نے مشرقی یورپ کے وسیع علاقے کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا، ان کی فاتح افواج ہو انا تک جا پہنچیں۔ دوسری طرف صاحبقران امیر تیمور نے روسیوں کے دار السلطنت ماسکو کو تاراج کیا۔ گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں صدیوں کے دوران مسلمان یورپ کے حواس پر بری طرح چھائے رہے۔ اہل یورپ پر صرف احساسِ ہزیمت ہی نہیں، مسلمانوں سے مرعوبیت اور ان کے خوف کا احساس بھی غالب رہا۔ یہی ہزیمت اور خوف کی وہ طویل تاریخ ہے جس کے آئینے میں دورِ حاضر کے یورپ اور امریکہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکمرانوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ اس دور کے یورپ کا لٹریچر ہمارے اس تجزیے کی تائید کرتا ہے۔

دوسری طرف دیکھا جائے تو اسلامی مشرق میں مسیحی مغرب کے خلاف ردِ عمل کی نفسیات اور نفرت کے جذبات پیدا کرنے میں بہت سے عوامل نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ قرونِ اوّل کے مسلمانوں نے محرف عیسائی مذہب کی مخالفت اس کے نظریۂ تثلیث کی بنیاد پر کی، بعد میں سیاسی کشمکش نے باہم آویزش کو فروغ دیا۔ صلیبی جنگوں کے دوران جس طرح مسیحی جنونیوں نے یروشلم اور دیگر علاقوں میں مسلمانوں کا قتل عام کیا، بلاشبہ مسلم ذہن اس سے شدید متاثر ہوا۔ ۱۴۹۲ء میں اندلس کی آخری پناہ غرناطہ پر جب مسیحی افواج نے قبضہ کرلیا تو مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اور انہیں عیسائیت قبول کرنے کے لئے ناقابلِ بیان ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ نہایت بے سروسامانی، ذلت اور نکبت کی حالت میں اُنہیں اندلس سے نکال دیا گیا۔ اٹھارہویں اور اُنیسویں صدی عیسوی میں یورپی استعماری اقوام نے عالم اسلام کے بہت بڑے حصے کو اپنی نو آبادیات میں شامل کرلیا۔ ایک وقت تھا کہ ترکی، سعودی عرب، افغانستان اور ایران (جزوی طور پر) کے علاوہ تمام اسلامی ممالک یورپی استعماریت کے پنجۂ استبداد کے نیچے کراہ رہے تھے۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، اٹلی، پرتگال اور روس کی استعماری طاقتوں نے نہ صرف مسلمانوں کے ملکوں پر سیاسی غلبہ حاصل کرلیا بلکہ اُنہوں نے پوری کوشش کی کہ اُنہیں اپنی تہذیب و ثقافت چھوڑ کر مغربی تہذیب کو اپنا لینے پر مجبور کر دیا جائے۔ دین و ایمان کی حفاظت ہر مسلمان ایک متاعِ عزیز جان کی طرح کرتا ہے۔ وہ مال و اسباب سے محرومی برداشت کرلیتا ہے مگر اپنے دین پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔

فاتح استعماری اقوام نے مقبوضہ علاقوں میں کلیسا کے ذریعے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی ناپاک مہم برپا کی۔ متعصب مستشرقین نے اسلام اور اسلامی کلچر پر توہین آمیز حملے کئے۔ پیغمبر اسلام ﷺ فداہ اُمّی و ابی کی ذاتِ اقدس کی اہانت کے ذریعے مسلمانوں کے قلوب کو چھلنی کیا جاتا رہا۔ اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ یورپی اقوام نے عہدِ استعماریت میں عالم اسلام کے مادی وسائل کو جی بھر کر لوٹا۔ سونا، چاندی، اور قیمتی دھاتوں کے وسیع ذخائر پر ہاتھ صاف کئے۔ یہاں سے خام مال لیکر اپنی صنعتوں کو ترقی دی اور پھر نو آبادیات کو صارفین کی منڈیوں کے طور پر استعمال کیا۔ یہ تاریخ کا بدترین اور طویل ترین معاشی استحصال تھا جس کا عالم اسلام نے سامنا کیا۔ پھر جنگِ عظیم دوم کے بعد جب مشرقِ وسطیٰ، ہندوستان اور افریقہ کے مسلمان ممالک نے یورپی استعمار سے سیاسی آزادی حاصل کی تو یہاں کے باشندوں کی فطری خواہش تھی کہ اُنہیں اپنے دین و مذہب، ثقافتی و تہذیبی اقدار اور نظام ہائے حیات کے مطابق اپنی حکومتیں چلانے کی آزادی میسر ہو، وہ اپنی مرضی سے اپنے معاشی وسائل کو اپنے عوام کی ترقی و بہبود کے لئے استعمال کرسکیں مگر یہ بات استعماری اقوام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے قابلِ قبول نہ تھی۔ اُنہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ عالم اسلام میں مغرب کے حامی حکمران برسراقتدار رہیں۔ بظاہر سیاسی محکومی سے آزاد ہونے والے اسلامی ممالک کو فکری محکومی اور ثقافتی استعماریت کو قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔

ارضِ فلسطین پر صہیونیوں کو قابض کرا کے فلسطینی مسلمانوں کو اپنے وطن سے محروم کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے تیل کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لئے سیاسی چالوں، معاشی پالیسیوں کے ساتھ ساتھ ان پر جنگیں مسلط کی گئیں۔ اُنہیں تباہ و برباد کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ عراق، افغانستان اور دیگر مسلمان ملکوں پر خوفناک جنگ مسلط کر کے ان پر قبضہ کر لیا گیا۔ اسرائیل نے بارہا فلسطینی مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، مگر امریکہ اور یورپی ریاستوں نے اسے منع کرنے کی بجائے اس کی ہر ممکن طریقے سے مدد کی۔ ایسے حالات میں عالم اسلام میں اگر امریکہ مخالف جذبات پیدا ہوئے، تو یہ ایک فطری امر ہے!

ردِّ امریکیت

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو دو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک امریکہ وہ ہے جسے اُس کی جمہوری روایات، مساوات اور آزادی اور اعلیٰ انسانی اقدار اور کثرت پسندی کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ ۱۷۷۶ء میں برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن کی قیادت میں جس ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا قیام عمل میں لایا گیا، اس میں اعلیٰ انسانی قدروں کی پاسداری اور وفاقی نظام کے تحت جمہوری ریاست کے آئینی ڈھانچے کو بے حد اہمیت دی گئی۔ یہی امریکہ ہے جو بعد میں لبرل ڈیموکریسی کی علامت کے طور پر دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ اس امریکہ کی فکری اساس کی جھلک ہمیں جارج فرینکلن، جیفرسن، تھامس آدم، ابراہم لنکن، وڈرو ولسن اور روز ویلٹ جیسے مشہور امریکی صدور کے 'سٹیٹ آف دی یونین' خطبات میں نظر آتی ہے۔ ہر امریکی صدر اپنی پہلی تقریر میں ان امریکی اقدار کا ذکر بڑے تفاخر سے کرتا ہے۔

ایک دوسرا 'امریکہ' بھی ہے جو بالکل ہی متضاد صورت پیش کرتا ہے۔ یہ امریکہ بالفعل جنگ عظیم دوم کے بعد عالمی سٹیج پر ایک سپر پاور کی صورت میں نمودار ہوا۔ یہ برطانیہ، فرانس، جرمنی، ہالینڈ اور اٹلی جیسی یورپی استعماری قوتوں کی معاشی تباہی کے بعد ان کے جانشین کی صورت میں سامنے آیا۔ اس دور میں اس کی خارجہ پالیسی میں اساسی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس دوسرے امریکہ نے پہلے امریکہ کے انسانی قدروں پر مشتمل اعلیٰ تصورات کو پامال کرتے ہوئے اپنے استعماری سفر کا آغاز ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بموں سے تباہی پھیلا کر کیا۔ جنگ عظیم دوم کے بعد اس امریکہ نے کمیونزم کے خلاف عالمی پولیس مین کا کردار ادا کیا۔ سوویت یونین اور امریکہ کے درمیان طویل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فکری تصادم اور کشمکش کو 'سرد جنگ' کا نام دیا گیا جس کا خاتمہ ۱۹۸۹ء میں اوّل الذکر کی شکست وریخت پر ہوا۔

امریکہ کو جمہوریت کے محافظ کی حیثیت سے جہاں خراجِ تحسین پیش کیا گیا، وہاں اوّل دور سے ہی امریکی قوم کو نفرت اور تعصب کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ امریکی دانشور اسے ردّ امریکیت یعنی Anti-Americanism کا نام دیتے ہیں۔ اس موضوع پر وسیع لٹریچر موجود ہے۔ ردّ امریکیت کو عام طور پر تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

پہلا دور امریکی انقلاب کے چند سال بعد شروع ہوتا ہے اور جنگ عظیم دوم کے خاتمہ یعنی ۱۹۴۵ء تک جاری رہتا ہے۔ اس دور میں یورپ کی ترقی یافتہ اقوام کی طرف سے امریکہ کو ثقافتی پسماندگی کا طعنہ دے کر تحقیر کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔

ردّ امریکیت کا دوسرا دور 'سرد جنگ' کا دور ہے۔ اس میں بائیں بازو کے انتہا پسند لبرل دانشوروں نے امریکہ کے سرمایہ دارانہ استحصالی کردار کو سخت تنقید کا نشانہ بنائے رکھا۔ کمیونزم کے عالمی پھیلاؤ کی وجہ سے ردّ امریکیت کا یہ دور بے حد اہم شمار کیا جاتا ہے۔

۹/۱۱ کے بعد سے ردّ امریکیت کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے، اس دور میں اسلامی جہادی تحریکوں کی طرف سے امریکہ کے خلاف بھرپور مہم چلائی گئی۔ امریکہ کے خارجہ پالیسی پر صہیونی لابی کے اثرات، مسئلہ فلسطین میں امریکہ کی طرف سے اسرائیل کی کھلم کھلا حمایت، عالم اسلام کے وسائل پر زبردستی قبضہ اور امریکہ کے استعماری عزائم کے حوالے سے اس کے بھیانک کردار کو واضح کیا گیا۔ امریکہ پر زور دیا گیا کہ وہ مشرقِ وسطیٰ کے علاقوں سے اپنی فوجیں نکال لے اور آمر حکمرانوں کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لے۔ مشرقِ وسطیٰ اور عالم اسلام پر امریکی فوجی یلغار نے ردّ عمل کے جذبات کو مزید انگیخت دی۔ جہادی عسکریت پسندوں کی طرف سے ردّ امریکیت کا یہ مرحلہ دنیا کی واحد سپر پاور کے لئے کافی اہمیت اختیار کر گیا جس کا دنیا بھر میں امریکہ خوب ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔

ردّ امریکیت کی اس آخری صورت کے حقیقی اسباب کا معروضی جائزہ لئے بغیر القاعدہ یا اُسامہ بن لادن کی امریکہ کے خلاف عسکری جدوجہد کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھنا نہایت دشوار امر ہے۔ آخر کوئی تو وجہ تھی کہ یہ جہادی گروہ ایک سپر پاور کی بے پناہ فوجی طاقت اور تباہ کن ہتھیاروں کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنی جانوں پر کھیل گئے۔ آج جس بات کو دہشت گردی، عسکریت پسندی، انتہا پسندی کہا جارہا ہے، اس کے فروغ پانے کے اسباب بھی تو کچھ ہوں گے۔ ہمارے ہاں جب اس طرح کے سوالات اُٹھائے جاتے ہیں تو بعض جذباتی افراد اِسے دہشت گردی کو 'جواز' عطا کرنے کی کاوش قرار دیتے ہیں۔ منطقی طور پر کسی چیز کا جواز اور چیز ہوتا ہے، تاہم اس کے ظہور پذیر ہونے کی وجوہات کا تعین کرنا ایک بالکل ہی مختلف امر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُسامہ بن لادن اور ردِ امریکیت

بہت سی تاریخی شخصیات کو متنازعہ قرار دیا گیا ہے۔ مگر ہماری معلومات کے مطابق اُسامہ بن لادن[1] کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں ہے جسے ایک طرف 'رئیس المجاہدین' کا نہایت قابل احترام اعزاز بخشا جاتا ہو، تو دوسری طرف اُسے 'دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد' بھی کہا جاتا ہو۔ بلاشبہ یہ دونوں القاب دینے والوں کی سوچ میں بعد المشرقین ہے۔ آج دنیا اُسامہ بن لادن کا ذکر جس طرح چاہے کرے مگر اس کے بدترین دشمنوں کو بھی یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ وہ ایک غیر معمولی انسان اور کرشماتی شخصیت تھے۔ جن لوگوں کو اُسامہ بن لادن کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، وہ بطور انسان اس کے اوصافِ حمیدہ کے معترف ہیں۔ ان دنوں ذرائع ابلاغ میں اسامہ بن لادن کے خاندانی پس منظر، بچپن، جوانی اور جہاد افغانستان میں شرکت کے متعلق جو معلومات دی گئی ہیں، اس سے یہ تاثر پیدا نہیں ہوتا کہ وہ طبعی طور پر کوئی خونخوار درندہ صفت انسان تھے۔ ان میں ہر وہ خوبی تھی، جو اُن کے خاندان کے دیگر افراد میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ یہ تفصیلات اس مضمون کے مرکزی موضوع سے مناسبت نہیں رکھتیں، لہٰذا ان سے صرفِ قلم کیا جاتا ہے۔

---

1 جب سے امریکہ نے دعویٰ کیا ہے کہ ۲ مئی کے ایبٹ آباد آپریشن میں القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن کو ہلاک (ہمارے خیال میں شہید) کر دیا گیا ہے، میڈیا اور اخبارات میں اُس کے متعلق اس قدر پروگرام نشر اور مضامین شائع ہوئے ہیں، اگر انہیں مدوّن کر دیا جائے تو ہزاروں صفحات پر مبنی ضخیم کتاب تیار کی جا سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ پندرہ برسوں میں امریکی اور مغربی ذرائع ابلاغ نے ایک دولت مند عرب خاندان کے اس چشم و چراغ کے خلاف منفی پروپیگنڈے کا اس قدر طومار باندھا ہے کہ خود امریکی کالم نگاروں نے بارہا تحریر کیا کہ اسامہ بن لادن دنیا میں سب سے زیادہ جانا جانے والا (Well-Knwon) شخص ہے۔ دنیا کی معروف شخصیات میں شاید ہی کوئی شخصیت ہو جس کے مخالف نہ ہوں۔ مگر عالمی تاریخ کا شاید ہی کوئی کردار ایسا ہو جو اتنا متنازع فیہ ہو جتنا کہ اسامہ بن لادن ہے۔ گزشتہ ایک صدی کے دوران استعماری سرمایہ دارانہ نظام نے جرمنی کے ہٹلر، روس کے سٹالن اور عراق کے صدام حسین کے خلاف بلاشبہ اس قدر شدت سے پراپیگنڈہ کیا کہ پڑھنے اور سننے والوں (بالخصوص اہل مغرب) کو وہ 'شیطانِ مجسم' دکھائی دینے لگے۔ مگر اسامہ بن لادن کے خلاف مغربی میڈیا نے جس قدر زہر افشانی کی ہے، اس کا حجم مذکورہ بالا تینوں شخصیات کے اجتماعی حجم سے بھی سینکڑوں گنا زیادہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حالیہ برسوں میں انٹرنیٹ اور ٹی وی چینلز اور اخبارات کی تعداد میں جو اضافہ ہوا ہے وہ گزشتہ ادوار کے مقابلے میں کئی سو گنا زیادہ ہے۔ اسامہ بن لادن کو بے حد نفرت انگیز القابات سے نوازا گیا ہے۔ ایک بیحد حیران کن اور توہین آمیز لقب ملاحظہ کیجئے: Chief of the Terrorist Staff۔ یہ لقب بہت سے امریکی کالم نگاروں نے ایبٹ آباد آپریشن کے بعد بیان کرنا شروع کیا ہے۔ مغرب کا کم ظرف شیطانی دماغ اپنے مخالفین بالخصوص اہل اسلام کے لئے ایسے القابات تخلیق کرنے میں بے حد زرخیز واقع ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے خیال میں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ سعودی عرب کے ارب پتی خاندان کا ایک نوجوان جہادِ افغانستان کی طرف مائل کیونکر ہوا؟ ایک دولت مند خاندان کے شہزادے نے عیش و عشرت کی زندگی ترک کر کے افغانستان جیسے سنگلاخ پہاڑوں کی سرزمین میں جہادی زندگی کو اپنا مقصدِ حیات کیونکر منتخب کر لیا؟ اس کے جہادی فکر کے ارتقا میں کن کن عوامل نے کردار ادا کیا؟ افغانستان سے سوویت یونین کی شکست خوردہ افواج کی واپسی کے بعد امریکی استعمار کے خلاف عالمی جہادی مہم برپا کرنے کا خیال اس کے ذہن میں کیسے پیدا ہوا؟ اور پھر امریکی مفادات پر حملوں کی منصوبہ بندی کیسے کی؟ اس کام کے لئے وسائل کیسے مہیا کئے؟ اگرچہ بارہا اس پر لکھا جاچکا ہے، مگر اب بھی اس سوال کو دہرانے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ۹/۱۱ کے واقعہ میں اُسامہ بن لادن کا ہاتھ تھا؟ ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اسامہ بن لادن کی آئیڈیالوجی کیا تھی اور کیا عالم اسلام اس آئیڈیالوجی پر عمل کرنے کا متحمل ہو سکتا ہے؟ آخر میں اُسامہ بن لادن کے مشن اور اس کی وضع کردہ حکمتِ عملی کے نتائج کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہاں ہم مغربی پریس کے اس نقطہ نظر کو پیش کرتے ہیں جو انہوں نے القاعدہ، بالخصوص اُسامہ بن لادن کے بارے میں بڑے تسلسل سے پھیلایا۔ ہمارے علم میں ہونا چاہئے کہ القاعدہ کے مخالف ان پر کیا فردِ جرم عائد کرتے رہے جس کے ساتھ ساتھ اپنے مختصر تبصرے میں ہم اس کا جائزہ بھی پیش کریں گے:

① ایبٹ آباد آپریشن کے دوسرے روز یعنی ۲ رمئی ۲۰۱۱ء کے 'روزنامہ واشنگٹن پوسٹ' میں اُسامہ بن لادن کے متعلق تفصیلی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے:

"وہ (اُسامہ بن لادن) مٹھی بھر اسلامی انقلابیوں (Islamic Radicals) میں سے تھا، جس نے ۱۹۸۸ء میں سوویت فوج کے خلاف افغانستان میں برسرپیکار مختلف گروہوں کی سرگرمیوں کو منضبط کرنے کے لئے 'القاعدہ' کی بنیاد رکھی۔ جب سوویت یونین نے افغانستان سے اپنی افواج واپس بلالیں تو القاعدہ نے ایک اور سپر پاور 'امریکہ' کو اپنی جدوجہد کا ہدف بنا لیا۔ بے حد جارحانہ مہم جوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے القاعدہ نے امریکہ پر سعودی عرب سے اپنی فوجیں واپس بلانے کے لئے شدید دباؤ ڈالنے اور عرب دنیا میں اپنے اتحادی حکمرانوں کی مدد سے دستبردار ہونے کے لئے دہشت گردی کے ایجنڈے کو اپنا لیا۔"[1]

اس رپورٹ میں بھی واضح طور پر اعتراف کیا گیا ہے کہ القاعدہ نے سعودی عرب میں امریکی افواج کی موجودگی کے خلاف شدید ردّ عمل کے طور پر 'دہشت گردی' کی پالیسی اپنائی اور دوسرا ان کا مطالبہ یہ تھا کہ امریکہ عرب ممالک کے حکمرانوں کی سرپرستی نہ کرے۔ ان مقاصد کے حصول

1 Story: "US Forces kill Bin Laden ending decade long hunt" *By* Scorc Wilson & Craig Whitlock, p 1

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے امریکی حکومت کو وہ دباؤ میں لانا چاہتے تھے۔ سعودی عرب کے مقدس مقامات کے متعلق حساسیت کا پایا جانا کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے۔ القاعدہ ہی نہیں پوری دنیا کے مسلمان چاہتے تھے کہ امریکی افواج سعودی عرب سے نکل جائیں۔ یہ بے حد جذباتی معاملہ تھا، عرب نوجوانوں کے جذبات بے حد مشتعل تھے۔ اُن میں سے بہت سے نوجوان جو کچھ عرصہ پہلے جہادِ افغانستان میں عملی طور پر شریک رہے تھے، اُنہوں نے اُسامہ بن لادن کی آواز پر لبیک کہا۔ وہ اس بات سے قطعی طور پر بے پرواتھے کہ امریکہ کے خلاف مسلح جدوجہد کے نتائج کیا ہوں گے؟ یہ نوجوان بلاشبہ جذبۂ جہاد سے سرشار تھے مگر ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔ یہ تحریک عام مسلمانوں میں پذیرائی حاصل نہ کر سکی، کیونکہ وہ اِسے انتہا پسندانہ حکمتِ عملی سمجھتے تھے۔

معروف امریکی ہفت روزہ 'ٹائم' (۲۰/ مئی ۲۰۱۱ء) نے The End of Bin Laden کے عنوان سے ایک خصوصی شمارہ شائع کیا ہے۔ اس کے سرورق پر اسامہ بن لادن کی تصویر شائع کی ہے مگر اس پر سرخ کراس X لگا دیا ہے۔ اُسامہ بن لادن سے نفرت کا یہ بے ہودہ اظہار مغربی صحافت کے ایک انتہا پسند طبقے کی ذہنیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میگزین کے مینجنگ ایڈیٹر نے اپنے مختصر ادارتی نوٹ میں بیان کیا ہے کہ اس سے پہلے ایڈولف ہٹلر (۷ مئی ۱۹۴۷ء)، صدام حسین (۲۱/ اپریل ۲۰۰۳ء) اور ابو مصعب زرقاوی (۱۹ جون ۲۰۰۶ء) کے متعلق خصوصی شماروں کی اشاعت میں ان کی تصویروں کو بھی صفحہ اوّل پر سرخ کراس کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ ان شماروں کے عکس بھی تازہ شمارے میں دیئے گئے ہیں۔

④ 'ٹائم' کے مضمون نگار پیٹر برگن[1] نے القاعدہ کے تزویراتی مقاصد کی ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے ہوئے لکھا ہے:

"پہلی نظر میں ۹/۱۱ کا حملہ القاعدہ کے جہادی جتھے کی چونکا دینے والی فتح دکھائی دیتا تھا جس نے دنیا کی واحد سپر پاور کی ناک خون آلود کر دی تھی۔ لیکن اگر غور سے دیکھیں تو یہ بات کم اہم

---

1 پیٹر برگن نیو امریکہ فاؤنڈیشن میں نیشنل سیکورٹی پروگرام کے ڈائریکٹر کے طور پر فرائض انجام دے رہا ہے۔
اس کی آخری کتاب حال ہی میں مارکیٹ میں آئی ہے، اس کا عنوان ہے: "The Longest War: The Enduring conflict between America and Al-Qaida"
روزنامہ ڈان (۸/ مئی ۲۰۱۱ء) کے سنڈے میگزین میں اس کتاب پر مفصل تبصرہ شائع ہوا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ۱۹۹۷ء میں جب وہ CNN کا پروڈیوسر تھا، وہ مشرقی افغانستان میں اسامہ بن لادن سے ملا، جہاں اُس نے اُسامہ کا پہلا ٹیلی ویژن انٹرویو کیا۔ (ٹائم) وہ لکھتا ہے:
He struck me as intelligent and well-informed.
"اس کی غیر معمولی ذہانت اور باخبریت نے مجھے ششدر کر دیا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر آتی ہے کیونکہ نیو یارک اور واشنگٹن پر حملوں سے بن لادن کے اہم تزویراتی ہدف Strategic Goal حاصل نہ ہوئے، اور یہ ہدف تھا مشرقِ وسطیٰ سے ریاست ہائے متحدہ کی واپسی کا، جس کے متعلق اس کا خیال تھا کہ وہ امریکی حمایت یافتہ آمریت پسند عرب حکمرانوں کے اقتدار کے خاتمہ کا باعث بنے گی۔"[1]

③ فرید زکریا کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ پہلے وہ 'نیوز ویک' میں کالم لکھتا تھا، آج کل Time سے وابستہ ہے۔ مزید برآں CNN کا اینکر پرسن بھی ہے۔ اس کی رائے کو امریکہ اور مغرب میں بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ 'ٹائم' کے مذکورہ شمارے میں اس نے القاعدہ کی طرف سے امریکہ کو ہدف بنانے کے متعلق یوں خیال آرائی کی ہے:

"ریاست ہائے متحدہ امریکہ اُن کا ہدف بنا، کیونکہ ہم نے عرب آمریتوں کی پیٹھ ٹھونکی۔ القاعدہ ایک سعودی + مصری اتحاد ہے (بن لادن، سعودی اور ایمن الظواہری، مصری) جس کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ سعودی اور مصری اور دیگر عرب حکومتوں کا تختہ اُلٹایا جائے... 'القاعدہ' یقین رکھتا تھا کہ عرب دنیا سے آمریتوں کا تختہ اُلٹنے کا واحد راستہ تشدد کا ہے، ان کے خیال میں سیکولر سیاست میں حصہ لینا ارتداد میں شامل ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ لوگ اسلامی حکومت چاہتے ہیں۔"

پیٹر برگن کے تجزیے میں ریاست ہائے متحدہ کی مشرقِ وسطیٰ سے واپسی کو القاعدہ کا پہلا ہدف بتایا گیا ہے، مگر فرید زکریا نے عرب حکومتوں کے تختہ اُلٹنے پر توجہ مرتکز کی ہے۔ ہمارے خیال میں اُسامہ بن لادن نے بارہا مشرقِ وسطیٰ بالخصوص سعودی عرب سے امریکی استعماری افواج کی واپسی کے لئے جدوجہد کو اپنا مشن قرار دیا۔ وہ سعودی حکومت سے بھی اس وجہ سے اُلجھ پڑے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ امریکیوں کو ارضِ مقدس سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ مگر اس نے اپنی تقاریر اور بیانات میں عرب حکومتوں کا تختہ اُلٹنے کو اپنا مشن قرار نہیں دیا۔ امریکی حکومت کے حامی صحافی اس بات کا پراپیگنڈہ شاید اس لئے کرتے ہیں تاکہ عرب حکمرانوں کو 'القاعدہ' یا جہادی انقلابیوں کے خلاف اقدامات کے لئے مشتعل کرسکیں۔ یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی مناسب ہوگا کہ پاکستان، افغانستان و عراق کے برعکس سعودی حکومت نے آخرکار اسامہ بن لادن کے اندیشے کو غلط کر دکھایا اور امریکی حکومت سے نجات حاصل کرلی۔

④ 'ٹائم' نے اسامہ بن لادن کی پیدائش (۱۹۵۷ء) سے لیکر اس کی ایبٹ آباد آپریشن میں مبینہ 'ہلاکت' (شہادت) کے سال بہ سال اہم واقعات کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے۔ اس کے چند

1 ہفت روزہ ٹائم، "A long time going" by Peter Bargen

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سالوں کا اندراج قابلِ توجہ ہے:

۱۹۹۰ء: ''عراق کا کویت پر حملہ: سعودی بادشاہت کی طرف سے امریکی افواج کی سعودی سرزمین پر قبولیت بن لادن کے سخت اشتعال کا باعث بنتی ہے۔ وہ ۱۹۹۱ء میں سعودی عرب کو چھوڑ کر سوڈان میں جا بستا ہے۔''

۱۹۹۶ء: ''بن لادن افغانستان واپس لوٹ آتا ہے، جہاں اُسے طالبان کی طرف سے القاعدہ کے تربیتی کیمپ قائم کرنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ بن لادن امریکہ کے خلاف جہاد کا اعلان کرتا ہے۔''

۱۹۹۸ء: ''بن لادن اعلان کرتا ہے کہ امریکیوں اور ان کے اتحادیوں (فوجی اور شہری) کو قتل کرنا ہر مسلمان کا انفرادی فرض ہے۔ القاعدہ کے آدمی تنزانیہ اور کینیا میں امریکی سفارت خانوں کو بم کا نشانہ بناتے ہیں۔ جس سے ۲۲۴/ اشخاص (بشمول ۱۲ امریکی) مارے جاتے ہیں۔ امریکہ افغانستان میں القاعدہ کے کیمپ پر کروز میزائل سے حملہ کرتا مگر وہ بن لادن کو قتل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔''

ستمبر ۲۰۰۱ء: ''۱۱ ستمبر کے دن چار جہاز نیویارک سٹی میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پینٹاگان سے ٹکراتے ہیں۔ ۱۹ ہائی جیکروں سمیت ۳۰۰۰ سے زیادہ لوگ جاں بحق ہوتے ہیں۔ ۱۶ ستمبر کو صدر جارج ڈبلیو بش، بن لادن کو سب سے بڑا مشکوک قرار دیتے ہیں۔ بن لادن ایک بیان جاری کرتا ہے:

''میں زور دے کر یہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔''[1]

اکتوبر ۲۰۰۱ء: ''جب طالبان بن لادن کی حوالگی سے انکار کرتے ہیں، امریکہ افغانستان پر حملہ کر دیتا ہے۔ ایک ویڈیو ٹیپ پیغام میں اسامہ بن لادن کہتا ہے:

''امریکہ پر خوف طاری ہو گیا ہے۔ الحمد للہ!''

اکتوبر ۲۰۰۴ء: ''امریکہ کے صدارتی انتخاب سے کچھ دن قبل بن لادن ایک ویڈیو ٹیپ جاری کرتا ہے، جس میں وہ پہلی دفعہ سارے جہاں کے سامنے تسلیم کرتا ہے کہ ۹/۱۱ کے حملوں میں القاعدہ ملوث تھا۔ بن لادن ۱۹۸۲ء میں اسرائیل کے لبنان پر حملے کا حوالہ دیتا ہے اور خبردار کرتا ہے کہ اس طرح کے حملے دوبارہ بھی ہو سکتے ہیں۔''[2]

اُسامہ بن لادن کا ۲۰۰۴ء میں امریکی قوم سے خطاب

'ٹائم' نے جو خاکہ پیش کیا ہے، امریکی حکومت کا موقف بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ ان معلومات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ صدر جارج ڈبلیو بش اور ان کی انتظامیہ ۹/۱۱ کے پانچ دن

۱ ہفت روزہ ٹائم: I stress that, I have not carried out this act، صفحہ ۴۲

۲ ہفت روزہ ٹائم: صفحہ ۴۲، ۴۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد اُسامہ بن لادن کو مشکوک قرار دیتی ہے۔ گویا کہ اس سے پہلے اُنہیں اسامہ بن لادن کے متعلق شک نہیں تھا۔ اس ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اُسامہ بن لادن نے بے حد زور دیکر انکار کیا کہ وہ ۱۱/۹ میں ملوث نہیں ہے، پھر وہ تین سال تک بالکل خاموش رہے۔ جب ۲۰۰۴ء کے امریکی انتخابات کے انعقاد میں محض چند روز باقی تھے، مغربی پریس یہ بتاتا ہے کہ انہوں نے اچانک منظر عام پر آکر یہ اعلان کیا کہ ۱۱/۹ کا اقدام القاعدہ نے کیا ہے۔ اُسامہ بن لادن کے اکتوبر ۲۰۰۴ء کے اس اعلان کے متعلق شکوک و شبہات وارد کئے جاتے رہے ہیں۔ وہ لوگ جن کے خیال میں اُسامہ بن لادن دسمبر ۲۰۰۱ء میں تورابورا پر شدید بمباری کے نتیجے میں شہید ہوگئے تھے، اس بیان کو جعلی قرار دیتے ہیں۔ ایک دوسرا گروہ ہے جو سمجھتا ہے کہ ۲۰۰۳ء میں گردوں کے مرض کی وجہ سے اُسامہ بن لادن کی طبعی موت واقع ہوئی، وہ بھی اس اعلان کی صداقت کو تسلیم نہیں کرتا۔ تیسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو اِسے 'سازش' قرار دیتے ہیں۔ ان کے نقطۂ نظر کے مطابق جارج ڈبلیو بش کو انتخابات میں دوبارہ کامیاب کرانے کے لئے یہ اعلان میڈیا پر چلایا گیا۔ اس بات کا اعتراف بہت سے امریکی صحافی بھی کرتے ہیں کہ اس اعلان کا سیاسی فائدہ جارج بش کو ملا، کیونکہ امریکیوں نے اُسامہ بن لادن سے نفرت کی بنا پر صدر جارج بش کی حمایت کی۔ البتہ امریکہ کے نو قدامت پسند اور صحافیوں کی اکثریت اب تک یہ سمجھتی ہے کہ یہ ویڈیو ٹیپ اُسامہ بن لادن کی آواز پر ہی مبنی ہے، لیکن قرائن بہر حال اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ ہماری معلومات کے مطابق القاعدہ کی قیادت نے اس ویڈیو ٹیپ کی میڈیا پر کبھی تردید تو نہیں کی تاہم اس بات کا قوی امکان ہے کہ اُن کی اس تردید کو میڈیا پر آنے ہی نہ دیا گیا ہو۔

اُسامہ بن لادن کی مذکورہ ویڈیو ٹیپ کا تحریری مسودہ (Transcript) انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ یہ چار طویل صفحات پر مبنی ہے۔ اس میں اُسامہ بن لادن نے بنیادی طور پر امریکی عوام کو خطاب کیا ہے۔ اگر یہ خطاب اُسامہ بن لادن کا ہے، تو اس میں شک نہیں ہے کہ یہ بہت ہی زوردار خطاب ہے۔ بالفرض یہ ایک جعلی (Fabricated) خطاب ہے، تب بھی اس جعل سازی کے مرتکب کی کاوش حیران کن ہے۔

اُسامہ بن لادن کا ۲۰۰۴ء کا خطاب

حمد و ثنا کے بعد اسامہ بن لادن اپنے خطبہ کا آغاز ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اے امریکہ کے عوام! یہ آج میری گفتگو آپ سے ہے۔ اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ دوسرے ۱۱/۹ سے بچاؤ کا مثالی راستہ کیا ہے، نیز اس جنگ کی وجوہات اور نتائج کیا ہیں؟ اس سے پہلے کہ میں اپنی تقریر کا باقاعدہ آغاز کروں، میں آپ کو بتادینا چاہتا ہوں کہ 'سیکیورٹی' انسانی زندگی کا ایک ناگزیر ستون ہے۔ جارج بش دعویٰ کرتا ہے کہ ہم آزادی سے نفرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ آزاد انسان اپنی آزادی کو کبھی سلب نہیں ہونے دیتے۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو اُسے چاہئے کہ وضاحت کرے۔ آخر ہم دوسرے ممالک مثلاً سویڈن پر حملہ کیوں نہیں کرتے؟... نہیں، ہم لڑائی کر رہے ہیں، کیونکہ ہم آزاد انسان ہیں جو ظلم کی شب میں سویا نہیں کرتے۔ ہم اپنی قوم کی آزادی کو بحال کرنا چاہتے ہیں۔ جیسے آپ ہماری قوم کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ بالکل اِسی طرح ہم بھی آپ کی قوم کو تباہ کریں گے۔ سوائے ایک بہرے چور کے کوئی بھی شخص نہیں جو دوسروں کی سیکورٹی (تحفظ) کے ساتھ کھلواڑ کرے اور پھر یہ بھی سمجھتا رہے کہ وہ خود محفوظ رہے گا۔"

پھر بیان کرتے ہیں:

"پس آج میں آپ کو بتاؤں گا کہ ان واقعات کے پیچھے اصل کہانی کیا ہے اور میں آپ کو دیانتداری سے بتاؤں گا کہ وہ کیا لمحات تھے جب یہ فیصلہ کیا گیا تاکہ آپ غور کر سکیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں، خدا جانتا ہے کہ ٹاورز کو تباہ کرنے کا خیال ہمارے ذہن میں کبھی نہیں آیا تھا۔ لیکن جب یہ ناقابل برداشت ہو گیا اور ہم نے دیکھا کہ امریکہ اور اسرائیل نے فلسطین اور لبنان میں ہمارے لوگوں کو جارحیت اور ظلم کا نشانہ بنایا ہے، تو یہ بات میرے ذہن میں آئی۔"[1]

اُسامہ بن لادن اس فیصلے تک کیوں پہنچے؟ اس کا پس منظر یوں بیان کرتے ہیں:

"وہ واقعات جنہوں نے میری روح کو براہِ راست گھائل کیا، ۱۹۸۲ء میں شروع ہوئے، جب امریکہ نے اسرائیل کو لبنان پر فوج کشی کی اجازت دی اور امریکہ کے چھٹے بیڑے نے ان کی امداد کی۔ اس بمباری میں بہت سے لوگ جاں بحق اور زخمی ہوئے، بے شمار لوگ وحشت زدہ ہو کر بے گھر ہونے پر مجبور ہوئے۔ میں ان دل دوز مناظر کو کبھی فراموش نہ کر سکا۔ ہر طرف خون اور بکھرے ہوئے اعضا، عورتیں اور بچے بے حد بری حالت میں۔ گھر اپنے مکینوں کے ساتھ تباہ کر دیئے گئے۔ ہمارے گھروں پر نہایت بے رحمی سے راکٹ برسائے گئے۔ ان صبر آزما لمحات میں بہت سے ناقابلِ بیان خیالات میرے دل میں آئے۔ بالآخر ظلم کے خلاف کھڑے ہونے کے شدید جذبات پیدا ہوئے اور ظالموں کو سزا دینے کا مضبوط عزم پیدا ہوا۔ اور جب میں نے ماضی میں جھانک کر لبنان کے تباہ شدہ ٹاورز کو دیکھا، میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ ہمیں بھی ظالم کو اسی انداز میں سزا دینی چاہئے اور ہمیں بھی امریکہ کے

---

1 اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں: "It came to my mind." یہ جملہ پچھلی سطر میں 'ہمارے ذہن میں کبھی نہیں آیا' سے ہم آہنگ نظر نہیں آتا۔ 'میرے ذہن' کے الفاظ شک سے بری معلوم نہیں ہوتے۔ غالب امکان یہی ہے کہ یہ جملہ اُسامہ بن لادن کی طرف سے اعتراف کے ثبوت کے لئے شامل کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹاورز کو تباہ کرنا چاہئے تاکہ ہم نے جو کچھ چکھا، وہ بھی اس کا مزہ چکھ سکیں اور تاکہ آئندہ وہ ہمارے عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کر سکیں۔

پس کچھ اس طرح کی تصویریں میرے ذہن میں گھومتی رہیں۔ ۱۱ ستمبر کے واقعات ان عظیم غلطیوں کا جواب تھے۔ کیا ایک آدمی کو اپنی آبرو اور قوم کے تحفظ کے لئے الزام دیا جاسکتا ہے؟ کیا اپنے آپ کا دفاع کرنا اور ظالم کو ویسی ہی سزا دینا قابل اعتراض دہشت گردی ہے؟ اگر یہ ایسا ہے، تو پھر ہمارے لئے اس سے گریز ممکن نہیں۔"

راقم الحروف کا دل نہیں مانتا کہ اُسامہ بن لادن نے اس اسلوب میں بات کی ہوگی۔ فرض کیجئے کہ یہ الفاظ اُسامہ بن لادن کے ہیں تو ۱۱/۹ کے واقعات کے لئے جو جواز پیش کیا گیا ہے، وہ غیر منطقی اور ناقابل فہم ہے۔ ۱۹۸۲ء کے لبنان کے واقعات کا ۲۰۰۱ء میں بدلہ لینا کیا معنی رکھتا ہے؟ پھر اس کے لئے اسرائیل کی بجائے امریکہ کا انتخاب بھی عجیب لگتا ہے۔ اسلامی شریعت بھی اس جواز کو تسلیم نہیں کرتی۔

اس کے بعد امریکی عوام کو کہا گیا ہے کہ وہ اُسامہ بن لادن کی طرف سے 'ٹائم میگزین' (۱۹۹۶ء) سی این این (۱۹۹۵ء)، جان ویز Weiner (۱۹۹۸ء) اور رابٹ فسک کو دیئے گئے انٹرویوز کا مطالعہ کریں۔ ۱۱/۹ کے واقعات کے نتائج کا ذکر کرتے ہوئے اسامہ بن لادن کہتے ہیں:

"جہاں تک اس کے نتائج کا تعلق ہے، خدا کے فضل و کرم سے یہ انتہائی مثبت اور شاندار رہے ہیں اور ہر اعتبار سے یہ ہماری توقعات سے بڑھ کر رہے ہیں۔"[1]

اس خطاب میں اُسامہ بن لادن نے امریکی صدر سینئر بش کی جانب سے اپنے بیٹوں کو گورنر بنانے کے عمل کو طنز و تشنیع کا موضوع بنایا ہے اور اِسے عرب بادشاہوں کی تقلید کا نام دیا ہے۔ یہ بیان کرنے کے بعد کہ مجاہدین نے کس طرح روس کا دس سال تک مقابلہ کیا جس کے نتیجہ میں وہ دیوالیہ ہوگیا اور شکست کھا کر پسپا ہونے پر مجبور ہوا، وہ امریکہ کے متعلق اپنی پالیسی کا ذِکر دھمکی آمیز زبان میں یوں کرتے ہیں:

"پس ہم امریکہ کو خون میں نہانے کی اپنی پالیسی جاری رکھے ہوئے ہیں، اس وقت تک کہ جب امریکہ دیوالیہ ہو جائے۔ ان شاء اللہ ایسا ہوگا اور اللہ بزرگ و برتر کی طاقت سے کچھ بھی ناممکن نہیں۔"

امریکہ کیلئے اس طرح کی جنگیں کس طرح فائدہ مند رہی ہیں۔ اسامہ بن لادن کے الفاظ ہیں:

"امریکہ کی جنگ کے بارے میں پالیسی یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہر طرف جنگی محاذ (War

[1] یہ بات بھی ناقابل فہم ہے کہ امریکیوں سے خطاب میں یہ اُسلوب کیونکر اختیار کیا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(Fronts) کھولے جائیں تا کہ اس کی مختلف کارپوریشن مصروف رہیں خواہ وہ اسلحہ سازی، تیل یا تعمیرات کے کام کرتی ہوں۔"

خطاب کے آخری حصے میں اُسامہ بن لادن نے امریکی صدر جارج ڈبلیو بش جونیئر پر طنز کے تیکھے نشتر چلائے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے خطاب میں ایک عجیب انکشاف بھی کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ

"کمانڈر جنرل محمد عطا کے ساتھ ہم نے اتفاق کیا تھا کہ تمام آپریشن ۲۰ منٹ کے اندر ہی مکمل کر لئے جائیں، اس سے پہلے کہ بش انتظامیہ اس کا نوٹس لے مگر جارج بش کے سست ردِ عمل کی وجہ سے اُنہیں تین گنا زیادہ وقت مل گیا۔"

اسامہ بن لادن کے طنزیہ جملے انگریزی میں درج کرنے کے لائق ہیں:

"It never occurred to us that the commander-in-chief of the American armed forces would abandon 50,000 of his citizens in the two towers to face those great horrors alone the time when they most needed him. But it seemed to him that occupying himself by talking to the little girl about the goat and its burning was more important than occupying himself with the planes and their butting of the sky-scrappers, we were given three times the period required to execute the operations."

"ہم نے کبھی نہ سوچا تھا کہ امریکی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف اس وقت اپنے پچاس ہزار شہریوں کو دونوں ٹاورز میں اس خوفناک دہشت کا سامنا کرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیں گے جب انہیں اس کی اشد ضرورت تھی۔ لیکن کیونکہ اس (جارج بش) نے خیال کیا کہ اُس کا ایک چھوٹی بچی سے ایک بکری' کے متعلق کہانی بیان کر کے خود کو مصروف رکھنا اس بات سے زیادہ زیادہ اہم تھا کہ وہ بلند و بالا عمارتوں سے ٹکرانے والے جہازوں کے متعلق توجہ کرتے۔ اس طرح ہمیں اپنے آپریشن کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تین گنا زیادہ وقت ملا گیا۔"

ان طنزیہ جملوں اور چوٹ (Taunting) کا امریکی میڈیا نے سخت نوٹس لیا۔ خود امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے اس پر شدید ردِ عمل ظاہر کیا۔ خطاب کے آخر میں اُسامہ بن لادن نے امریکی

---

۱ جب جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرائے، جارج بش ایک سکول میں بچوں کے ساتھ موجود تھے۔ اُنہیں وہاں اطلاع دی گئی۔ اطلاع سن کر ان کا چہرہ فق ہو گیا مگر وہ اس وقت ایک بچی کو ایک بکری کی کہانی سنا رہے تھے۔ اُنہوں نے تقریباً سات منٹ میں اِس اضطراب کی حالت میں وہ کہانی مکمل کی اور اس کے بعد تقریب سے چلے گئے۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام کو متنبہ کیا:

"آخر میں، مَیں آپ سے بالکل سچی بات کہتا ہوں کہ آپ کی سکیورٹی جان کیری (صدارتی امیدوار) یا جارج بش یا القاعدہ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ آپ کی سکیورٹی (تحفظ) آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اور ہر وہ ریاست جو ہماری سکیورٹی سے نہیں کھیلتی، وہ خود بخود اپنے آپ کو تحفظ عطا کرتی ہے۔"[1]

ہمارے خیال میں اس خطاب کے اصل اور جعلی، دونوں امکانات میں سے جعلی ہونے کا امکان غالب ہے، بہرحال ہم نے اس خطاب کے اہم حصوں کو بیان کر دیا ہے۔ اس خطاب میں ۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ میں عراقیوں کے قتل عام یا افغانستان پر امریکی حملے کا ذِکر نہیں ہے، یہ بات بڑی حیران کن ہے۔ دوسری یہ بات بھی تعجب سے خالی نہیں کہ ۲۰۰۱ء میں تورا بورا کی وحشیانہ بمباری سے بچ نکلنے کے تین سال بعد امریکی قوم سے اس طرح کا جسارت آمیز اور اشتعال انگیز خطاب کیا گیا۔

امریکہ کے خلاف اعلانِ جنگ ۱۹۹۶ء

اگست ۱۹۹۶ء میں اُسامہ بن لادن نے ایک 'مفصل اعلامیہ' شائع کیا جسے امریکی پریس نے 'بن لادن کا فتویٰ' کے نام سے تشہیر دی۔

ہمارے خیال میں اسامہ بن لادن کے فکری ارتقا، آئیڈیالوجی اور جہادی عسکریت کے محرکات کی معروضی تفہیم کے لیے یہ اعلامیہ اہم ترین دستاویز ہے۔ ۳۰ سے زیادہ مفصل صفحات پر پھیلا ہوا یہ اعلامیہ کسی تحقیقی مقالے سے کم نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسامہ بن لادن اکیلے کی دماغ سوزی کا نتیجۂ فکر نہیں ہے بلکہ القاعدہ کے دیگر علما نے بھی اس میں معاونت کی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ 'اعلامیہ' اصل ہے اور اس میں تحریف کا کم احتمال ہے۔ اس اعلامیہ کا جائزہ بے حد مفید ہوگا۔

خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن مجید کی متعدد آیات[2] کا بیان ہوتا ہے۔

اعلامیہ کا آغاز صہیونی رصلیبی اتحاد کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جابجا بہیمانہ ظلم و ستم کے نہایت رقت آمیز تذکرہ سے ہوتا ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں[3] میں خونِ مسلم کی ارزانی کا نوحہ پیش کرتے ہوئے مسلمانوں کے قلوب کو متاثر کرنے والا خطاب کیا گیا۔ اسلام دشمنوں کی لرزہ خیز بربریت اور اس پر اقوامِ عالم کی حیران کن بے حسی کا تذکرہ ہوتا ہے۔ انسانی حقوق کے علمبردار

---

۱ اس خطاب کا پورا متن ان ویب سائٹس پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:
Aljazeera.net/osamabinladen, www.worldpress.org

۲ مثلاً سورۃ آل عمران:۱۰۲، النساء:۱، الاحزاب:۷۰،۷۱، سورۂ ہود:۸۸، اور آل عمران:۱۱۰

۳ مثلاً لبنان، تاجکستان، برما، کشمیر، آسام، فلپائن، صومالیہ، اریٹیریا، چیچنیا، فلسطین اور بوسنیا وغیرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امریکیوں کی طرف سے مسلمانوں کے انسانی حقوق کی پامالی اور اس کے خلاف مسلمانوں میں بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہونے کی تفصیلات دی جاتی ہیں۔ پھر تازہ ترین مگر اس بدترین جارحیت کا بے حد جذباتی انداز میں بیان ہوتا ہے جو حرمین شریفین کی مقدس زمین پر قبضے کی صورت میں کی گئی ہے۔ مسلمانوں کے مکرم ترین مقامات پر صہیونی رصلیبی افواج کے قبضے کا ذکر اس اعلامیہ میں متعدد مقامات پر آتا ہے۔ اس کے بعد اُسامہ بن لادن نے امریکی استعمار کی طرف سے علمائے حق اور داعیانِ اسلام کو قید و بند کی سختیوں سے دوچار کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ان کے خیال میں دشمنانِ اسلام ایسا اس لیے کر رہے ہیں تاکہ یہ علمائے کرام اپنے عظیم آباؤ اجداد (جیسے کہ ابن تیمیہ اور علی ابن عبد السلام) کی طرح اُمتِ مسلمہ کو دشمنانِ اسلام کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب نہ دے سکیں۔ اُسامہ کہتے ہیں کہ مجاہد شیخ عبد اللہ عزام[1] کو امریکیوں نے قتل کیا اور مجاہد شیخ احمد یاسین اور مجاہد شیخ عمر عبد الرحمٰن کو اُنہوں نے گرفتار کیا۔ مزید برآں امریکیوں کے حکم کی تعمیل میں سعودی حکومت نے کثیر تعداد میں علما[2]، داعی اور نوجوان حراست میں لے لئے۔ پھر وہ بیان کرتے ہیں کہ کس طرح اُنہیں اور ان کے گروہ سے وابستہ افراد کو ناانصافی کا شکار کیا گیا۔ وہ بتاتے ہیں کہ اب وہ اسی کوہستانی محفوظ سرزمین میں ہیں جہاں دورِ حاضر کے کفار کی سب سے بڑی فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اب وہ اسی کوہ ہندوکش سے صلیبی و صہیونی اتحاد کے خلاف صف آرا ہیں۔

مندرجہ بالا اُمور پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد اسامہ بن لادن اعلان کرتے ہیں:

"یہاں سے، آج ہم اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں، ہم عالم اسلام بالعموم اور حرمین شریفین کی

---

۱ شیخ عبد اللہ عزام جہادِ افغانستان کے حوالہ سے معروف ہیں۔ اُنہوں نے پشاور میں مجاہدین کی تربیت کا مرکز قائم کیا ہوا تھا۔ ۱۹۸۶ء میں اُسامہ بن لادن بھی اس مرکز میں آئے۔ وہ عبد اللہ عزام کو اپنا فکری استاد مانتے تھے۔ ۱۹۸۹ء میں اُنہیں پشاور میں شہید کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ آخری برسوں میں وہ اسامہ بن لادن سے بہت خوش نہ تھے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کی بیوی نے ایک انٹرویو میں اُسامہ بن لادن کے ساتھ ان کے اختلاف کا ذکر بھی کیا۔ ابھی حال ہی میں حافظ محمد زبیر تیمی نے 'تکفیر اور حاکمیت' پر اپنے ایک مضمون میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اسی مضمون میں سعودی عرب کے جید علما کی جانب سے اُسامہ بن لادن اور تکفیری تحریک کے دیگر جہادی سلفی علما کے خلاف فتاویٰ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ احمد یاسین چند سال پہلے اسرائیلی ریاست کی دہشت گردی کا نشانہ بنے۔ شیخ عمر عبد الرحمٰن ابھی تک امریکی شہر میں ہیں، ان پر الزام ہے کہ انہوں نے ۱۹۹۳ء میں رمزی یوسف کی طرف سے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کے معاملے میں معاونت کی تھی۔ وہ مصر کی جہاد اسلامی کے فکری رہنما ہیں۔ القاعدہ کے اہم رہنما ایمن الظواہری کا تعلق اسی جماعت سے ہے۔

۲ ان میں شیخ سلمان العودہ اور شیخ سفر الحوالی کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ یہ علمائے کرام تکفیری تحریک کے نمایاں ترین نام بتائے جاتے ہیں، جن میں سے بعض نے اب رجوع بھی کر لیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارضِ مقدس کو بالخصوص جن مسائل کا سامنا ہے، اس کی اصلاح اور حل کی بات کریں گے۔
ہم چاہتے ہیں کہ ہم ان تمام مسائل کا مطالعہ کریں جس سے ہم اس افسوسناک صورتِ حال کو دوبارہ اُس کی پہلی سطح پر لاسکیں تاکہ لوگوں کو ان کے حقوق واپس مل سکیں۔"

ان سطور سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کا مصمم عزم کر چکے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے معاشرہ کے مختلف طبقات مثلاً شہری، فوجی، سرکاری ملازمین، تاجر، نوجوان، بوڑھے، طلبا کے ساتھ کی جانے والی ناانصافیوں اور ظلم کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اُنہوں نے ایک ماہر معیشت دان کی طرح صنعت وزراعت، معیشت، افراطِ زر، غیر حکومتی قرضہ جات اور مہنگائی کو دلائل سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہمارا ملک دنیا کا سب سے بڑا تیل برآمد کرنے والا ملک ہے؟ لوگ یقین کرتے ہیں کہ یہ ہم پر اللہ کا عذاب اسی لیے نازل ہوا ہے، کیونکہ ہم حکمرانوں کے ظلم اور غیر عادلانہ رویے کے خلاف آواز نہیں اُٹھاتے[1]۔ وہ سعودی حکومت کو الزام دیتے ہیں کہ وہ

"شریعت کو نظر انداز کر رہی ہے، لوگوں کے جائز حقوق غصب کر رہی ہے، حرمین شریفین کی ارضِ مقدس پر قبضہ کرنے کی اجازت دے رہی ہے۔[2] مخلص علما کو قید و بند کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ حکمرانوں کے اقدامات سلطنت کو تباہی کی طرف لے جارہے ہیں۔"

اُسامہ کہتے ہیں کہ ہر طبقہ فکر کی طرف سے اس صورت حال کی اصلاح کے لیے متعدد بار کاوشیں کی گئی ہیں۔ اب حکومت دو اسباب کی بنا پر اپنا جواز کھو چکی ہے:

⑤ عوام کے جان ومال کے تحفظ میں ناکامی اور امریکی صلیبی افواج کو ارضِ مقدس پر قبضہ کرنے کی اجازت دے کر اس تباہ کن صورتِ حال کو پیدا کرنے کی ذمہ دار حکومت ہے۔

⑥ اسلامی شریعت کی معطلی اور اس کے بدلے میں انسانوں کے بنائے ہوئے (وضعی) شہری قوانین کا نفاذ۔ حکومت نے حق گو علما کے خلاف محاذ کھولا ہے اور صالح نوجوانوں پر ظلم کیا ہے۔

اُسامہ کہتے ہیں کہ اصلاح احوال کی تمام تجاویز کو حکومت نے مضحکہ خیز اور بے ہودہ قرار دے کر مسترد کر دیا۔ مئی ۱۹۹۱ء میں چار سو افراد جن میں علما، تاجر، ریٹائرڈ فوجی حکام، ماہرین تعلیم اور دانشوروں کی طرف سے شاہ فہد کو ایک خط ارسال کیا گیا تھا جس میں ناانصافی کے خاتمے کی درخواست کی گئی تھی مگر اس خط کو نظر انداز کر دیا گیا۔

اُسامہ بن لادن نے ۱۹۹۴ء میں بادشاہ کو پیش کی جانے والی ایک اہم یادداشت کا بھی ذکر کیا ہے

---

۱ ضروری نہیں کہ تمام لوگ اس طرح سوچتے ہوں۔ مقرر کی جانب سے اس میں حسن مبالغہ کو بھی کافی دخل ہے۔
۲ اس مضمون کے آخر میں ہم جائزہ لیں گے کہ اس الزام میں کس قدر صداقت ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں مسائل کی تشخیص اور اس کا 'سائنسی حل' پیش کیا گیا تھا۔ مگر اس رپورٹ کو بھی مسترد کر دیا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ

"اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ اصلاح کے علمبردار پُرامن ذرائع کے استعمال میں بے حد سنجیدہ تھے تاکہ ملک کا اتحاد قائم رہے اور خون ریزی کا خاتمہ ہو۔ پھر ایسا کیوں ہے کہ تمام پُرامن راستے بند کر دیئے ہیں اور لوگوں کو مسلح جدوجہد کی طرف دھکیل دیا ہے[1]۔ اب یہ واحد راستہ ہے جو بچ گیا ہے تاکہ عدل وانصاف کا قیام عمل میں لایا جاسکے۔"

پھر وہ کہتے ہیں کہ امریکی / اسرائیلی اتحاد کی خواہش ہے کہ سعودی عرب کے شہری اور فوج آپس میں لڑیں، مگر عوام ان کے اس شیطانی منصوبے سے باخبر ہیں جو وہ اپنے ایجنٹوں (سعودی حکمران) کے ذریعے یہاں پایۂ تکمیل کو پہنچانا چاہتے ہیں۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں:

"اس لیے سب اس بات پر متفق ہیں کہ اس صورتِ حال کی اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس مسئلے کی اصل جڑ نہ کاٹ دی جائے۔ اس لیے اب ضروری ہوگیا ہے کہ اصل دشمن[2] پر ضرب کاری لگائی جائے جس نے گذشتہ کئی دہائیوں سے اُمت کو چھوٹے بڑے ملکوں میں تقسیم کرکے انتشار پھیلا رکھا ہے۔"

مندرجہ بالا سطور اس خطبے کا Climax (نقطۂ عروج) ہیں۔ اس کے بعد مختلف حوالہ جات کے ذریعے انہوں نے امریکہ کے خلاف اس اعلانِ جنگ کو جواز عطا کرنے کے لیے دلائل کی بھرمار کی ہے۔ دلائل کا رنگ عقلی سے زیادہ جذباتی ہے۔

اپنی رائے کو بظاہر 'علمی اور شرعی' جواز عطا کرنے کے لیے علامہ ابن تیمیہ کے ایک قول اور فتویٰ کو تائیدی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اسامہ بن لادن کے خطاب کا یہ حصہ اصل الفاظ میں درج کیا جاتا ہے:

"ان سارے سوالات کا جواب یہ ہے کہ ہم وہ راستہ اختیار کریں جس کا اہل علم نے فیصلہ کیا[3]۔ مثلاً ابن تیمیہ نے فرمایا: "اہل اسلام کو فوج میں شامل ہونا چاہیے اور اس 'کفرِ عظیم'

---

۱ یہ غور طلب بات ہے کہ یہاں امریکہ کی بجائے سعودی حکومت کو الزام دیا جارہا ہے کہ اس نے اُنہیں مسلح جدوجہد کی طرف دھکیل دیا۔

۲ یعنی صلیبی / صیہونی اتحاد (The Zoinist/Crusader Alliance)

۳ علامہ تقی الدین ابن تیمیہ تیرہویں صدی عیسوی کے نابغۂ عصر تھے۔ اُنہوں نے تاتاریوں کے خلاف اسلامی لشکر کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ انہوں نے بے شمار موضوعات پر ۴۰۰ سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ بعض صاحبانِ علم انہیں تاریخ اسلام کا سب سے بڑا مجدد قرار دیتے ہیں۔ عالم عرب میں حنابلہ اور سلفی تحریکیں ان کے افکار سے متاثر ہیں، بالخصوص سعودی عرب میں ان کو وہی حیثیت اور مقام حاصل ہے جو احناف کے ہاں امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے جو مسلمانوں کے ممالک پر قبضہ کئے ہوئے ہے۔ اگر اس بڑے کفر سے چھٹکارا پانے کے لیے کچھ نقصان بھی برداشت کرنا پڑے تو کرلینا چاہیے۔"

اس کے بعد اُسامہ بن لادن مسلمانوں کو ان کے اہم ترین فرض کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اگر ایک سے زیادہ فرائض کو ادا کرنے کا معاملہ ہو تو اہم ترین فرض کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ بات واضح ہے کہ ایمان کے بعد کوئی دوسرا فرض اتنا اہم نہیں ہے جتنا کہ امریکی دشمن کو ارضِ مقدس سے نکال باہر کرنا اہم ہے۔ سوائے ایمان کے تحفظ کے کسی دوسرے فرض کو اس پر فوقیت نہیں دی جاسکتی۔"

ابن تیمیہ نے فرمایا:

"مذہب اور ایمان کے تحفظ کے لئے جہاد کرنا مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ ہے، ایمان کے بعد دوسرا کوئی بھی فرض اس سے زیادہ اہم نہیں ہے کہ اس دشمن کے خلاف جہاد کیا جائے جو مسلمانوں کی جان اور ان کے مذہب کو خطرات لاحق کرتا ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لیے کوئی پیشگی شرط نہیں ہے۔ دشمن کے خلاف پوری قوت سے لڑنا چاہیے۔" (فتاویٰ ابن تیمیہ)

ایک اور جگہ ابن تیمیہ تاتاریوں کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"خدا کی رضا کے حصول، اعلائے کلمۃ الحق، اس کے مذہب کو استحکام دینے اور اس کے محبوب پیغمبر اکرم ﷺ کی اطاعت کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کا تقاضا ہے کہ دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ ہر اعتبار سے اور مکمل طور پر اگر مذہبِ اسلام کو لاحق خطرہ، دشمن کے خلاف نہ لڑنے کی نسبت لڑنے کی صورت میں زیادہ ہے، تب بھی یہ ان کا فرض ہے کہ دشمن سے لڑیں، اگرچہ بعض لڑنے والوں کی نیت بھی خالص نہ ہو۔ دو خطرات میں سے بڑے خطرے کو ٹالنا اسلام کے اُصولوں میں شامل ہے جس پر عمل کرنا چاہیے۔" (مجموع الفتاویٰ)

اُسامہ بن لادن نے اپنے خطاب میں مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ آپس میں نہ لڑیں کیونکہ اس طرح مسلمانوں کی افرادی قوت اور ان کے مالی وسائل تباہ ہو جائیں گے جس کا نتیجہ مسلم معاشرہ میں انتشار اور فساد کی صورت میں سامنے آئے گا۔ اندرونی جنگ بہت بڑی غلطی ہے، خواہ

ابو حنیفہ کو حاصل ہے۔ اُنہوں نے تاتاری فتنے کو 'کفر عظیم' قرار دیا۔ القاعدہ کی طرف سے علامہ ابن تیمیہ کی مندرجہ بالا رائے سے استنباط قیاس مع الفارق کی کوئی صورت ہو سکتی ہے، ورنہ ان کا مقصود یہ نہیں تھا جو سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے تو مسلمانوں کو 'اسلامی فوج' میں شامل ہو کر 'کفر کبیر' کا مقابلہ کرنے کے لیے ترغیب دی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی وجوہات کچھ بھی ہوں۔ ان جنگوں کے نتیجے کے طور پر قابض امریکی افواج بین الاقوامی کفر فائدہ اٹھائے گا۔[1]

اُنہوں نے ایک دفعہ پھر خبردار کیا کہ

"خلیج کی ریاستوں میں صلیبی امریکی فوج کی موجودگی دنیا کے تیل کے سب سے بڑے ذخائر کے لیے سنگین خطرہ ہے۔" اُنہوں نے مسلمان مجاہدین کو ہدایت کی کہ "وہ مسلمانوں کی اس دولت کی حفاظت کریں۔ یہ ایک عظیم اسلامی دولت ہے جو ان شاء اللہ عنقریب قائم ہونے والی اسلامی ریاست[2] کے لیے اقتصادی طاقت فراہم کرے گی۔"

اس کے بعد فوج اور سکیورٹی فورسز کے 'بھائیوں' کی طرف ان کا روئے سخن ہوتا ہے۔ یہاں اسامہ بن لادن کا انداز خطاب بے حد ولولہ انگیز ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے قدیم عرب قبائل کا کوئی سردار کسی مخالف قبیلے سے جنگ کرنے کے لیے قبیلے کے نوجوانوں کو جنگ کا جوش دلا رہا ہو۔ وہ یوں خطاب کرتے ہیں:

"اے دین و ایمان کے محافظو! اے اپنے عظیم اسلاف کے فرزندو! وہ اسلاف جنہوں نے ہدایت کا نور پوری دنیا تک پہنچایا، اے سعد بن ابی وقاص اور ان کے عظیم رفقا کے بیٹو! اے مجاہدین اسلام کے روحانی فرزندو! تم نے تو فوج میں اسی لئے شمولیت کی تھی تاکہ تم اللہ کے راستے میں جہاد کرو اور حرمین شریفین کی مقدس سرزمین کو صلیبیوں سے محفوظ رکھو، مگر حکومت نے ان اُصولوں کو تبدیل کر دیا ہے۔ صلیبیوں کو حرمین شریفین کی ارض مقدس پر قبضے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ اس ارض مقدس کے سینے پر امریکی اڈے بنا دیئے گئے۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ ان امریکی افواج کا حجم کتنا ہے، ان کے ارادے کیا ہیں اور اُن کی موجودگی سے کتنا خطرہ ہے۔"

اس کے علاوہ ۱۹۹۸ء میں بھی اسامہ بن لادن نے ایک فتویٰ صادر کیا جس میں ایک دفعہ پھر امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا۔ طوالت کی بنا پر اس کا ذکر مؤخر کیا جاتا ہے۔

امریکہ کے خلاف جہادی حکمتِ عملی کا ناقدانہ جائزہ

آج جب کہ اُسامہ بن لادن اس دنیا میں نہیں رہے اور القاعدہ کی قیادت کے اہم اراکین گرفتار کر لئے گئے ہیں یا امریکی افواج کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر چکے ہیں اور ایمن الظواہری جیسے جو

---

۱ تحریک طالبان پاکستان کو اسامہ بن لادن کی اس ہدایت پر غور کرنا چاہیے۔

۲ گویا ان کے ذہن میں اسلامی ریاست کا قیام بھی تھا۔ شاید وہ اسی مقصد کے حصول کے لیے عرب حکمرانوں پر تنقید کرتے رہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چند راہنما ابھی زندہ ہیں، وہ بھی خفیہ ٹھکانوں میں قیام پذیر ہیں، ضروری معلوم ہوتا ہے انقلابی جہادیوں کے اس استعمار مخالف گروہ کے مشن اور حکمت ِ عملی کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے۔

ہمارے خیال میں اُسامہ بن لادن اور القاعدہ کی قیادت کے مشن کے جواز کو کسی حد تک تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اگر ان کا مشن یہ تھا کہ امریکی افواج کو سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک سے واپس جانے پر مجبور کیا جائے اور اُنہیں تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنے کی اجازت نہ دی جائے تو اس سے شاید ہی کوئی اختلاف کرے گا مگر ان مقاصد کے حصول کے لئے اُنہوں نے جس مسلح جدوجہد کو بطور حکمت ِ عملی آگے بڑھایا، ان دس سالوں میں اُمت ِ مسلمہ کو پہنچنے والے شدید نقصان کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ بھی اس حکمت ِ عملی کے مخالف ہوگئے ہیں جو کبھی امریکہ مخالف جذبات سے مغلوب ہو کر اسے درست سمجھتے تھے۔ ہمارے خیال میں انقلابی جہادیوں کی امریکہ مخالف جدوجہد کی ناکامی کے نمایاں اسباب درج ذیل ہیں:

① امریکہ کے خلاف عسکری حملوں کی حکمت ِ عملی غیر دانش مندانہ اور غیر حکیمانہ تھی۔ ان کے پاس نہ مطلوبہ افرادی قوت تھی اور نہ ہی حربی وسائل کی فراہمی کا کوئی معقول بندوبست تھا۔ یمن کی سمندری حدود میں کھڑے امریکی بحری جہاز یو ایس ایس کول پر ایک دخانی کشتی سے اچانک حملہ کر کے تباہ کرنا مشکل ہے نہ کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارت خانوں پر حملہ کر کے دو چار مسلح افراد کو ہلاک کرنا کوئی بڑا کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔ اصل بات ان چھوٹے چھوٹے اشتعال انگیز واقعات کے مضمرات اور نتائج ہیں جن کو وہ ذہن میں رکھتے تو شاید ان اقدامات سے گریز کرتے۔ جوشِ جہاد میں وہ مستقبل میں پیش آنے والے ہولناک مناظر کو چشم تصور میں لانے سے بالکل قاصر رہے۔

② فرض کیجئے القاعدہ نے ۱۱/۹ کو امریکی سرزمین پر حملوں کی منصوبہ بندی کی تھی۔ اگر ان کا خیال یہ تھا کہ وہ امریکہ کی معاشی طاقت کی علامت ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور عسکری قوت کے مرکز پینٹا گون کو نقصان پہنچا کر امریکہ کو مشرقِ وسطیٰ سے نکلنے پر مجبور کر دیں گے تو اِسے نرم ترین الفاظ میں ان کی عاقبت نا اندیشی کہنا چاہئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک سپر پاور اور طاقتور ریاست کی اجتماعی نفسیات اور اس کے ممکنہ ردعمل کے متعلق کوئی ادراک نہیں رکھتے۔ ایک علاقے کا جاگیر دار ہو، یا عسکری طاقت کے نشہ میں سرشار امریکہ جیسی سپر پاور، طاقت کبھی ہار نہیں مانتی اور اس طرح کے اچانک حملوں کا جواب کئی گنا بڑے جوابی حملوں سے دیا کرتی ہے۔ یہ بات تو ایک معمولی فہم کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے مگر القاعدہ کی قیادت 'طاقت کی نفسیات' سے بالکل بے بہرہ نظر آتی ہے۔ ۱۱/۹ کے بارے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس میں انسانی جانوں کی ہلاکت نے ایک جذباتی فضا پیدا کر دی تھی۔ جو لوگ امریکہ کی خارجہ پالیسی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سخت اختلاف بھی رکھتے تھے، اُنہوں نے بھی اس اقدام کو انسانیت کے خلاف ہولناک جرم قرار دیا۔ امریکہ نے اس جذباتی فضا کو افغانستان میں حملہ کے لئے بے حد ہنر مندی سے استعمال کیا۔ ان کے ذرائع ابلاغ نے نہ صرف امریکی قوم میں شدید انتقام اور خوف کے جذبات کو بھڑکایا بلکہ پوری دنیا میں امریکہ سے انسانی ہمدردی کے جذبات بھی پیدا کئے۔ بلاشبہ یہ ایک عدیم النظیر اور لرزہ خیز واردات تھی جس نے پوری دنیا کو اعصاب زدگی سے دوچار کر دیا۔

③ انتہا پسند انقلابی جہادی گروہ امریکہ میں نو قدامت پسندوں کی صورت میں بڑھتی ہوئی مسیحی انتہا پسندی کا بالکل اندازہ نہ کرسکے۔ 'تہذیبوں کے تصادم' کے فلسفے سے پرورش پانے والی زہریلی ذہنیت کو اُنہوں نے سنجیدہ مطالعے کا موضوع کبھی نہ بنایا۔ ان کی بدقسمتی تھی کہ جس وقت ۹/۱۱ کا واقعہ پیش آیا، اس وقت جارج ڈبلیو بش کی صدارت میں بشارتی مسیحی اور نو قدامت پسند اقتدار پر قابض تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے دل میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سخت نفرت پائی جاتی تھی۔ یہ مسلمانوں کے تیل کے ذخائر اور معدنی وسائل پر قبضے کے منصوبے بنائے ہوئے تھے، اگر ڈیمو کریٹس اقتدار میں ہوتے تو شاید القاعدہ کو تباہ کرنے کے لئے افغانستان پر حملہ نہ کرتے یا کم از کم اس فوجی یلغار کو اس قدر طول نہ دیتے۔ جارج ڈبلیو بش نے 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کو 'کروسیڈ' (Crusade) کا نام دیا۔ یہ لفظ ان کی زبان سے انجانے میں نہیں نکلا تھا۔ انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں جس مذہبی جوش و خروش سے اس جنگ کو پھیلایا، بلاشبہ وہ اِسے 'کروسیڈ' سمجھ کر ہی آگے بڑھا رہے تھے۔

④ اسامہ بن لادن اور دیگر جہادی انقلابیوں کی ایک بہت بڑی غلطی یہ بھی تھی کہ انہوں نے امریکہ کے ساتھ ساتھ عالم عرب کے مسلمان حکمرانوں کے خلاف بھی محاذ کھول دیا۔ اُنہوں نے ان حکمرانوں کو نہ صرف امریکہ کے پٹھو قرار دیا بلکہ ان کے خلاف ارتداد کے فتاویٰ بھی جاری کئے۔ اس تکفیری مہم میں حتیٰ کہ خادم الحرمین الشریفین کو بھی نہ بخشا گیا۔ سعودی عرب کے جید علماءِ نے ان کے ایسے خیالات کو شر اور فساد پر مبنی قرار دیا اور بعض اکابر علماء نے انہیں دورِ حاضر کے خوارج قرار دے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ انقلابی جہادیوں کو سعودی عرب اور دیگر عرب ریاستوں میں کوئی خاطر خواہ پذیرائی نہ مل سکی۔ وہ حکمرانوں کے ساتھ ساتھ مسلم عوام کی ہمدردی اور حمایت سے بھی محروم ہوگئے۔ اس شر انگیزی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۹۴ء میں سعودی عرب کی حکومت نے اُسامہ بن لادن کو ملک چھوڑنے کا حکم دیا اور اِس کے حامیوں کی کڑی نگرانی شروع کر دی۔

© rasailojaraid.com